تصوف - روح اسلام

علامہ محمد احمد مصباحی

1

تصوف - روح اسلام

علامہ محمد احمد مصباحی

صوفیہ اہل اسلام کی اس پاکیزہ جماعت کا نام ہے جس نے رب کی معرفت، رسول کی پیروی، خلق کی ہدایت اور بندگان خدا کی خدمت میں وہ مقام حاصل کیا جو دوسروں کو حاصل نہ ہوا۔ اکناف عالم میں اسلام کی اشاعت ان ہی کی بلند کوششوں کا ثمرہ ہے۔ ان کی صاف دلی، سلامت روی اور بلند اخلاقی سے اپنے تو اپنے غیر بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ خود برصغیر ہند و پاک میں آج اسلام و سنت کی جو روشنی نظر آرہی ہے، اس میں سلاطین کی تگ و دو سے زیادہ صوفیہ کرام کی مساعی جمیلہ کا حصہ ہے۔

صوفیۂ کرام کی عظمت سے متعلق چند اہم شہادتیں:

(۱) حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۰ھ-۵۰۵ھ) وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جنھوں نے رسمی علوم اور فنون سبھی حاصل کیے۔ اور تہافت الفلاسفہ لکھ کر اسلام کی وہ عظیم خدمت انجام دی کہ فلسفیوں کا تعمیر کردہ صدیوں کا محل منہدم ہو گیا۔ کوئی باطل فرقہ نہ ہوگا جس کی بیخ کنی میں انھوں نے اپنی کوشش و ہمت صرف نہ کی ہو۔ اکابر علما ان کی تعظیم کرتے، اہم منصب اور عزت و شوکت انھیں حاصل تھی۔ مگر یہ اچھے سے اچھے مقام اور حقیقی و غیر متزلزل یقین کے طالب تھے مدتوں نظر و خوض کے بعد انھیں اپنی حالت سے بے رغبتی بڑھتی گئی اور اعلیٰ کی طلب میں نکلے بڑی جانچ پڑتال کے بعد ان پر یہی منکشف ہوا کہ صوفیہ کا طریقہ ہی سب سے افضل و اعلیٰ ہے اس لیے اسی کو اختیار کیا اور اسی پر وفات پائی۔

المنقذ من الضلال میں خود فرماتے ہیں:

مجھے اس بات کا علم قطعی و یقینی حاصل ہو گیا کہ صرف صوفیہ ہی وہ ہیں جو راہ خدا پر گامزن ہیں ان کا راستہ سب سے زیادہ صحیح اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ اگر تمام عقلا کی عقل، حکما کی حکمت اور اسرار شریعت سے آگاہ علما کا علم جمع ہو کر بھی ان کے اخلاق و کردار اور سیرت و روش کو بدلنے اور اس سے بہتر بنانے کی سعی کرے تو نہ ہو سکے، اس لیے کہ ان کی ظاہری و باطنی ہر روش اور ہر حرکت و سکون مشکاۃ نبوت کے نور سے حاصل شدہ ہے اور روئے زمین پر نور نبوت کے سوا کوئی ایسا نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔

کہنے والا اُس طریقے کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہے جس کی پہلی شرط یہ ہے کہ قلب کو پورے طور پر ماسوی اللہ سے پاک کیا جائے اور نماز کی کلید تکبیر تحریمہ کی طرح اس مشرب کی کلید یہ ہے کہ دل یاد الٰہی میں مستغرق ہو اور آخری درجہ یہ ہے کہ خدا کی ذات میں بالکلیہ فنا ہو جائے۔ یہ مقام تمام اختیاری درجات کی بہ نسبت سب سے اعلیٰ و اقویٰ ہے۔

(۲) امام یافعی عبداللہ بن اسعد یمنی فرماتے ہیں:

"ایک طریقت پر ان نادانوں کا اعتراض ایسا ہی ہے جیسے کوئی مچھر کسی پہاڑ پر بار بار پھونک مارے اور یہ چاہے کہ اس کے اس پھونکنے سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے گا۔"

(الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر، ص:۹)

(۳) مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس فرماتے ہیں:

"کسی کو یہ حق نہیں کہ اپنی نظر قاصر کی رو سے صوفیہ کرام پر نکیر واعتراض روا رکھے اس لیے کہ وہ فہم و کشف میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ اہل تصوف میں کسی سے متعلق ہمیں یہ خبر نہ ملی کہ انھوں نے کسی ایسی بات کا حکم دیا ہو جو دین سے متصادم ہو نہ ہی یہ کہ انھوں نے کسی کو وضو سے یا نماز سے روکا ہو یا ان کے علاوہ فرائض اسلام یا مستحبات سے منع کیا ہو۔" (یواقیت، ص:۱۲)

(۴) شیخ الاسلام مخزومی فرماتے ہیں:

"کسی عالم کے لیے صوفیہ پر اعتراض روا نہیں جب تک کہ ان کی راہ پر نہ چلے یا ان کے افعال و اقوال کو کتاب و سنت کے خلاف نہ پائے۔ اس کے بعد وہ بتاتے ہیں کہ صوفیہ پر اعتراض کی ہمت کرنے سے پہلے ستر باتوں سے آگاہ ہونا شرط ہے پھر کہیں معترض کے لیے اعتراض کی اجازت ہوگی۔ ان باتوں کے تحت لکھتے ہیں:

(الف) رسولوں کے اختلاف درجات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے معجزات اور اولیا کے درجات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی کرامات کی معرفت میں غواصی کرے اور ان پر ایمان لائے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اولیا تمام معجزات میں انبیا کے وارث ہیں مگر وہ جو مستثنیٰ ہیں۔

(ب) تفسیر و تاویل کی کتابوں اور ان کے شرائط سے آگاہ ہو، زبان عرب کی معرفت میں خبر رکھتا ہو، مجازات و استعارات سے آشنائی میں درجۂ انتہا کو پہنچ چکا ہو۔

(ج) صفات باری سے متعلق آیات و اخبار میں سلف و خلف کے مقامات سے خوب آشنا ہو اور یہ جانتا ہو کہ کس نے ظاہر کو لیا، کس نے تاویل کی، کس کی دلیل زیادہ راجح ہے۔

(د) اہل اصول کے علم میں تبحر اور ائمہ کلام کے منشاے کلام کا عارف ہو۔

(ہ) سب سے اہم شرط یہ ہے کہ صوفیہ کی اصطلاحات سے آگاہ ہو، تجلی ذاتی، تجلی صوری، ذات، ذات الذات، حضرات اسماو صفات، حضرات و درجات کے فرق، احدیت و حدانیت، واحدیت کے فرق سے آشنا ہو، ظہور و بطون، ازل و ابد، عالم غیب و کون و شہادت، شئون، علم ماہیت و ہویت، شکر و محبت وغیرہ اصطلاحات کے معانی جانتا ہو اور یہ بھی معرفت رکھتا ہو کہ کون شکر میں سچا اور قابل درگزر ہے، کون جھوٹا اور قابل گرفت ہے۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو شخص ان حضرات کی مراد ہی سے بے خبر ہو وہ ان کا کلام کس طرح حل کر سکے گا۔ ہوگا یہ کہ ایسا معنی لے کر ان پر اعتراض کر بیٹھے گا جو ان کی مراد نہیں۔ انتہیٰ۔ (یواقیت)

آج کے غیر مقلدین اصطلاحات صوفیہ کو کیا جانیں، انھیں تو ظاہری اور مروج علوم کی اصطلاحات اور ان کے معانی و اسرار کا بھی پتہ نہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی (م: ۸۵۲ھ) جیسے عظیم محدث و فقیہ اور ماہر کامل کا قصہ سنیے انھوں نے حضرت ابن الفارض کے قصیدۂ تائیہ کے کچھ اشعار کی شرح لکھی اور شیخ مدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اجازت لکھنے کے لیے پیش کیا انھوں نے اوپر یہ لکھا کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

سارت مشرقة و سرت مغربا
شتّان بین مشـــرق و مغرب

وہ مشرق کی سمت گئی اور میں مغرب کو چلا۔ مشرق و مغرب میں کتنا بڑا فاصلہ ہے۔

یہ لکھ کر انھوں نے علامہ ابن حجر کے پاس بھیج دیا۔ جسے دیکھنے کے بعد انھیں اس بات پر انتباہ ہوا کہ جو پہلے ان کی نظر سے اوجھل رہ گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے صوفیہ کی محبت اور حضرت سیدی مدین کی رفاقت اختیار کر لی اور اسی طریق پر دم واپسیں آیا۔ (یواقیت، ص: ۱۲)

(۵) امام جلیل محی الدین ابو زکریا نووی (م: ٦٧٦) فرماتے ہیں:

کسی عاقل کے لیے اولیا اللہ کے متعلق سوے ظن روا نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ ان کے اقوال و افعال کی تاویل کرے جب تک کہ ان کے درجہ کو نہ پہنچ جائے۔ اس سے عاجز وہی ہوگا جو کم توفیق ہو۔

شرح مہذب میں فرماتے ہیں:- تاویل ہو تو ستر وجہوں تک ان کے کلام کی تاویل کی جائے۔ لیکن اس کے بعد اگر ہم ایک تاویل بھی قبول نہ کریں تو یہ محض بے جا تشدد ہوگا۔ (یواقیت، ص: ۹)

(٦) شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام (م: ٦٦٠) جن کی جلالت شان محتاج بیان نہیں اپنے وقت میں مصر کے سلطان العلما تھے۔ وہ اپنی تصنیف "کتاب الرعایۃ" میں فرماتے ہیں:

سارے لوگ تو شریعت کے رسوم و نشانات پر ٹھہرے ہوئے ہیں مگر صوفیہ کرام شریعت کی ان بنیادوں پر قرار پذیر ہیں جو غیر متزلزل ہیں اس کی تائید ان کرامات و خوارق سے بھی ہوتی ہے جو صوفیہ کے ہاتھوں پر رونما ہوتے ہیں اور کبھی کسی عالم کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتے اگر چہ علم کی بڑی سے بڑی منزل پر پہنچ چکا ہو مگر یہ کہ وہ بھی ان راہ پر گامزن ہو۔

شیخ عز الدین پہلے یہ کہتے تھے کہ "ہمارے ہاتھوں میں جو شریعت کے منقولات موجود ہیں کیا ان کے علاوہ بھی شریعت کا کوئی راستہ ہے؟ جو یہ دعویٰ کرے کہ شریعت کا کوئی علم باطن بھی ہے وہ باطنی قریب بہ زندیق ہے مگر جب مصر میں شیخ ابو الحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی اور ان سے تحصیل علم کی تو صوفیہ کے مداح ہو گئے اور فرمانے لگے ان کا مسلک وہ ہے جو تمام اخلاق مرسلین کا جامع ہے۔" (یواقیت، ج: ۲، ص: ۹۲)

(۷) ابن ایمن نے اپنے رسالے میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ (م: ۲۴۱) سے متعلق نقل کیا ہے کہ "وہ شروع شروع میں

اپنے فرزند کو صوفیہ کے پاس بیٹھنے سے منع کرتے تھے ایک بار ان کے پاس رات کے وقت فضا سے ایک جماعت اتری ان لوگوں نے امام احمد سے شرعی مسائل پوچھنا شروع کیا۔جن کے جواب میں امام عاجز رہے پھر وہ ہوا میں پرواز کر گئے اس وقت سے اپنے فرزند کو تاکید فرمانے لگے کہ صوفیہ کی ہم نشینی اختیار کرو اس لیے کہ انھیں خدا کی خشیت اور شریعت کے وہ اسرار حاصل ہیں جو ہمیں حاصل نہیں جب کسی مسئلہ کے حل سے قاصر ہوجاتے تو شیخ ابوحمزہ بغدادی سے فرماتے اے صوفی اس مسئلے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔وہ جو بتاتے امام احمد اسے اختیار کر لیتے۔(یواقیت،ص:۹۴)

شیخ محی الدین ابن عربی (م: ۶۳۸ھ) منکرین

سب سے زیادہ سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو اپنے تیر ستم کا نشانہ بناتے ہیں اور ان کے بارے میں نہ معلوم کیا کچھ کہہ جاتے ہیں لیکن اسلام کی مستند شخصیات اور امت کے اکابر علما نے ان کے بارے میں کیا فرمایا؟ امام عبدالوہاب شعرانی کی کتاب "الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر" سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(۱) شام کے شیخ الاسلام حضرت سراج الدین مخزومی فرماتے ہیں: شیخ محی الدین کے کسی کلام پر انکار سے بچو اس لیے کہ اولیا کے گوشت زہر آلود ہوتے ہیں۔(ان کی شان میں غیبت و بدگوئی مہلک ہے) ان سے بغض رکھنے والے کے دین کی بربادی یقینی ہے، جو ان کا دشمن ہوا اسلام سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا، نصرانی ہوگیا اور اس پر مر گیا، جس نے بدگوئی سے ان کے بارے میں زبان درازی کی خدا نے اس کو مردہ دلی کی بلا میں ڈال دیا۔

حضرت عبداللہ قرشی فرماتے تھے: جو خدا کے کسی ولی کی تحقیر کرتا ہے اس کے دل میں ایک زہر آلود تیر مارا جاتا ہے اور مرنے سے پہلے اس کا عقیدہ فاسد ہوجاتا ہے اور اس کا خاتمہ خراب ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

ابوتراب نخشبی فرماتے تھے: جب دل میں خدا سے روگردانی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اولیا کی شان میں بدگوئی لگ جاتی ہے۔

(۲-۳) شیخ کمال الدین زملکانی شام کے اجلۂ علما سے تھے یہ حضرت ابن عربی کے مداح ہیں۔شیخ قطب الدین حموی جب شام سے اپنے ملک واپس آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے شیخ محی الدین کو کیسا پایا؟ انھوں نے فرمایا:

"میں نے علم و زہد اور معارف میں انھیں ایسا تلاطم خیز سمندر پایا جس کا ساحل نہیں۔"

(۴) حافظ ابوعبداللہ ذہبی ابن تیمیہ کے شاگرد جو صوفیہ سے مخالفت رکھتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فصوص الحکم کے بارے میں کہا ہے کہ انھوں نے اسے بارگاہ نبوت سے اذن پاکر ہی تصنیف کیا اس دعویٰ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حافظ ذہبی نے فرمایا: "میں یہ گمان بھی نہیں کرسکتا کہ محی الدین ابن عربی جیسا بزرگ کبھی جھوٹ بولے گا۔"

(۵) شیخ صلاح الدین صفدی نے تاریخ علماے مصر میں ان کی مدح کی اور فرمایا ہے: "جو علوم لدنیہ والوں کا کلام دیکھنا چاہے اسے شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابیں دیکھنا چاہیے۔"

(۶) شیخ قطب الدین شیرازی فرماتے ہیں: "شیخ محی الدین شریعت و طریقت کے علوم میں رتبۂ کمال پر فائز تھے ان پر وہی اعتراض کرے گا جو ان کا کلام سمجھنے سے قاصر ہوا اور اس پر اعتقاد نہ رکھتا ہو اس سے ان کی شان میں کوئی خلل نہیں آتا جیسے کفار نے انبیاے کرام کی جانب جنون وسحر کی نسبت کی تو اس سے انبیا کے کمال میں کوئی خلل نہ آیا۔

(۷) امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں "شیخ محی الدین عظیم ولی تھے۔"

(۸) مجد الدین فیروز آبادی قاموس میں فرماتے ہیں: شیخ محی الدین ایک بحر ناپیدا کنار ہیں۔جب وہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اس وقت شہر مبارک میں علما ومحدثین جمع تھے اور ان کے درمیان جس علم میں بھی گفتگو ہوتی شیخ ہی سب کا مرجع ہوتے، تمام علما ان کی مجلس کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے آتے ان کے سامنے حاضری باعث برکت جانتے ان کی تصانیف کا ان سے درس لیتے۔ مکہ کے کتب خانوں میں آج بھی ان کی تصانیف کا موجود ہونا میری بات کا سب سے زیادہ سچا گواہ ہے۔وہ مکہ میں زیادہ تر حدیث پاک کے سننے، سنانے میں مشغول رہتے۔وہیں انھوں نے اپنے شاگرد بدرالدین حبشی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کتابوں کی مراجعت کے بغیر فتوحات مکیہ تصنیف فرمائی، بعد تصنیف اسے ایک سال تک کعبہ معظمہ کی چھت پر رکھا پھر اتار کر

دیکھا تو جیسی رکھا تھا ویسی ہی پایا نہ اس کا کوئی ورق بھیگا، نہ ہواؤں سے چاک ہوا۔ جب کہ مکہ میں بارش بہت ہوئی اور آندھیاں کثرت سے چلیں۔ اس مقبولیت کا تجربہ کر لینے کے بعد ہی انھوں نے فتوحات مکیہ کی کتابت وقرأت کی اجازت دی۔

(۹) تقی الدین سبکی فرماتے ہیں: "شیخ محی الدین ابن عربی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ فضل وکمال نے ان کے زمانے میں اپنی ساری کنجیاں ان کے سپرد کر دی تھیں اور کہہ دیا تھا آپ کے سوا کسی سے آشنا نہیں۔"

(۱۰) شیخ سراج الدین بلقینی سے حضرت ابن عربی کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا "شیخ محی الدین کی کسی بات پر اعتراض وانکار سے بچو۔ اس لیے کہ جب وہ معرفت اور تحقیق حقائق کے سمندروں میں غوطہ زن ہوئے تو آخر میں فصوص الحکم، فتوحات مکیہ، تنزلات موصلہ وغیرہ اپنی تصانیف میں وہ عبارات تحریر فرمائیں جو ان کے ہم رتبہ اہل اشارات پر مخفی نہیں۔ ان کے بعد کچھ ایسے لوگ آئے جو ان کے مسلک سے اندھے اور بے خبر تھے۔ انھوں نے اسے غلط ٹھہرایا بلکہ ان عبارات کی وجہ سے شیخ کو کافر کہا۔ یہ لوگ نہ تو شیخ کی اصلاح سے خود آشنا تھے نہ اس راہ کے سالکین سے دریافت کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ شیخ کے کلام میں کچھ ایسے رموز و اشارات، روابط وضوابط اور حذف مضافات ہیں جو ان کے اور ان کے ہم رتبہ حضرات کے علم میں معلوم ہیں اور جاہلوں کے نزدیک مجہول ہیں۔ اگر یہ لوگ ان کے کلمات کو ان کے دلائل وتطبیقات کے ساتھ دیکھتے اور ان کے نتائج اور مقدمات سے آگاہ ہوتے تو وہ ثمرات پاتے جو مقصود ہیں اور ان کا اعتقاد بھی شیخ کے اعتقاد کے برخلاف نہ ہوتا۔

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں: امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: ہر دور میں یہ ہوتا آیا ہے کہ جب کوئی شخصیت بلند مرتبہ ہوئی تو کوئی کمینہ دشمن ان کی مخالفت پر اتر آیا مثلاً:

(۱) حضرت آدم کا دشمن ابلیس۔

(۲) حضرت نوح کا دشمن حام وغیرہ۔

(۳) حضرت داؤد کا جالوت اور اس کے ہم نوا۔

(۴) حضرت سلیمان کا صخر

(۵) حضرت عیسیٰ کا ان کی پہلی زندگی میں بخت نصر اور دوسرے دور میں دجال۔

(۶) حضرت ابراہیم کا نمرود۔

(۷) حضرت موسیٰ کا فرعون۔

(۸) اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ لگا رہا ان کا دشمن ابوجہل ہوا۔

(۹) حضرت ابن عمر کا بھی ایک دشمن تھا جب وہ اس کے پاس سے گزرتے وہ مذاق کرتا۔

(۱۰) کچھ مخالفین نے حضرت عبداللہ بن زبیر پر نماز میں ریا ونفاق کا بہتان لگایا۔ ایک بار نماز میں ان کے سر پر کھولتا پانی ڈالا جس سے ان کا چہرہ اور سر جل گیا، اور انھیں پتہ نہ چلا، نماز سے سلام پھیرا تو احساس ہوا۔ فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے قصہ بتایا، فرمایا: حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ ایک مدت تک چہرے اور سر کے درد سے پریشان رہے۔

(۱۱) حضرت ابن عباس کا دشمن نافع ابن رزق تھا وہ انھیں سخت اذیت پہنچاتا اور کہتا یہ بغیر علم کے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔

(۱۲) کوفہ کے کچھ جاہل حضرت سعد بن وقاص کی عداوت پر کمر بستہ تھے، فاروق اعظم کے پاس ان کی شکایت لائے اور کہا یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، جب کہ حضرت سعد ان دس حضرات میں سے تھے جن کے لیے سرکار نے جنت کی شہادت وبشارت دی ہے۔

ان کے بعد ائمہ مجتہدین کو دیکھیے:

(۱۳) امام اعظم ابوحنیفہ نے خلفا وسلاطین کی جانب سے جو مصائب جھیلے وہ مخفی نہیں۔

(۱۴) امام مالک اس قدر پریشان ہوئے کہ پچیس سال تک روپوش رہے، جمعہ وجماعت کے لیے بھی باہر نہ آتے۔

(۱۵) امام شافعی نے اہل عراق اور اہل مصر کی سختیاں جھیلیں۔

(۱۶) امام احمد بن حنبل نے زدوکوب اور قید وبند کی مصیبتیں اٹھائیں۔

(۱۷) امام بخاری کو اس قدر تنگ کیا گیا کہ انھیں بخارا سے خرتنگ جانا پڑا۔

(۱۸) شیخ عبدالرحمٰن سلمی، احمد بن خلکان، شیخ عبدالغفار قوسی اور ایسے ہی دیگر ثقات نے بیان کیا ہے کہ دشمنوں نے حضرت بایزید بسطامی کو سات بار بسطام سے شہر بدر کیا اس کی تحریک وہاں کے علما کی ایک جماعت کرتی تھی۔

(۱۹) حضرت ذوالنون مصری کو بیڑی اور زنجیر ڈال کر مصر

سے بغداد لے گئے ان کے ساتھ اہل مصر انھیں زندیق کہتے ہوئے بغداد تک گئے۔

(۲۰) حضرت سہل بن عبداللہ تستری کو ان کے شہر سے بصرہ کی طرف نکالا، ان پر بہت سی بری باتوں الزام لگایا اور انھیں کافر کہا۔ جب کہ ان کی امامت وجلالت شان مسلم ہے تستر سے نکلنے کے بعد تاحیات وہ بصرہ ہی میں رہے۔ وہیں وفات پائی اسی طرح اور بہت سی نظیریں پیش کی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے حضرت ابن عربی کے دفاع میں بھی ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام یہ ہے: "تنبیہ الغبی فی تبرئۃ ابن عربی" (حضرت ابن عربی کی براءت پر نادان کو تنبیہ) دوسری کتاب حضرت ابن الفارض کے دفاع میں ہے، جس کا نام ہے "قمع العارض فی نصرۃ ابن الفارض" (حضرت ابن الفارض کی حمایت اور مخالف کی بیخ کنی) (یواقیت ملخصاً)

ان بیانات سے قارئین کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ اہل حق اور ارباب فضل وکمال کی عداوت اور ان کی تحقیر وتنقیص کوئی نئی چیز نہیں خدا کے احبا و اولیا اس طرح کے مصائب ہمیشہ جھیلتے آئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ معلوم ہوا کہ ہر دور میں اہل انصاف کی بھی ایک جماعت رہی جس نے اہل کمال کے کمالات تسلیم کیے اور ان کے فضل وکمال کی کھلی گواہی دی اور ان کے مخالفین کا رد بھی کیا خصوصاً صوفیہ اور عرفا کی ہر دور میں اگر کچھ قاصرین نے مخالفت کی ہے تو بہت سے کاملین نے ان کی مدح سرائی بھی کی ہے۔ مخالفین تو گوشۂ گمنامی میں مرکھپ گئے لیکن ان اولیاے اللہ اور ان کے حامیوں کی جلالت شان کا ڈنکا آج بھی بج رہا ہے۔ چند لامذہبوں کے شور وشغب سے صوفیہ وعرفا کی عظمت ومعرفت کا آفتاب کبھی دھندلا نہیں ہوتا فرقہ لامذہباں کو اس قعر مذلت وسفاہت اور حال عناد وعداوت میں چھوڑیے اور آیئے ارباب حقیقت ومعرفت کی عظمت کا کچھ تذکرہ سنیے۔

تصوف اور صوفیہ کرام: کچھ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تصوف یا طریقت، شریعت سے کوئی جدا راہ ہے۔ اس خیال کو ان غلط کار متصوفوں نے بھی شہرت دی جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت راہ ہے، اور طریقت منزل جو منزل تک پہنچ گیا اسے راہ کی کیا ضرورت؟ وہ اپنے کو تمام احکام وفرائض سے آزاد سمجھتے ہیں، درحقیقت یہ زندقہ ہے، صوفیہ نے کبھی یہ معنی بیان نہ کیا نہ ہی وہ طریقت کو شریعت سے بے نیاز سمجھتے ہیں، نہ ہی تصوف کو کتاب وسنت کی تعلیم سے الگ شمار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طریق کو شریعت رد کر دے وہ الحاد وزندقہ ہے، جو کشف معیار شرع پر پورا نہ اترے مکر شیطان ہے، تصوف کے تعارف میں تعبیرات بہت آئی ہیں مگر سب کا حاصل اور مآل ایک ہی ہے، یہاں دو تین کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ عارف باللہ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

"التصوف انما هو زبدة عمل العبد باحکام الشریعة" تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ص:۴)

ابوعبداللہ محمد بن خفیف ضبی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"التصوف تصفیة القلب، واتباع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی الشریعة" تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔ (الطبقات الکبریٰ امام الشعرانی، ص:۱۸)

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"التصوف عبارة عن تجرد القلب للہ تعالیٰ، واستحقار ماسوی اللہ وحاصله یرجع الیٰ عمل القلب والجوارح، ومهما فسد العمل فات الأصل" (احیاء علوم الدین، ج:۲، ص:۲۴۹، باب فوائد السفر وفضله ونیته)

تصوف اس کا نام ہے کہ دل خدا کے لیے خالی ہو اور ماسوی اللہ کو خاطر میں نہ لائے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ قلب اور اعضا سے متعلق اعمال وافعال درست ہوں۔ جب عمل فاسد ہوگا تو اصل ہی ت ہو جائے گی۔

صوفیۂ کرام شریعت پر مضبوطی سے استقامت ہی کو خدا تک رسائی کا سب سے قریب ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔

"اقرب الطرق الی اللہ لزوم قانون العبودیة والاستمساك بعروة الشریعة" اللہ عزوجل کی طرف سب سے قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔ (بهجة الاسرار للعلامه ابی الحسن علی الشطنونی، ص:۵۰)

شریعت پر استقامت اسی وقت صادق ہوگی جب ظاہر و باطن دونوں احکام الٰہی کے پابند ہوں باطن اخلاق ذمیمہ سے منزہ ہو اور ظاہر اوصاف حمیدہ سے آراستہ، صرف چند فرائض و واجبات کی ادائیگی اور چند ممنوعات وحرام سے پرہیز کر لینے سے شریعت کی پابندی کسی فقیہ کی نظر میں بھی کامل نہیں ہوتی کسی عارف کے نزدیک کیا ہوگی؟ کچھ اوصاف ذمیمہ کو دیکھیے جن سے بچنا اہل ظاہر کے نزدیک بھی ضروری ہے مگر کتنے ہیں جو اس پر پورے اترتے ہیں۔ بلکہ کتنے ہیں جو ان کے نام بھی ذہن میں رکھتے ہیں:

اوصاف ذمیمہ: (۱) ریا (۲) عجب (۳) حسد (۴) کینہ (۵) تکبر (۶) حبّ مدح (۷) حبّ جاہ (۸) محبت دنیا (۹) حبّ شہرت (۱۰) تعظیم امرا (۱۱) تحقیر مساکین (۱۲) اتباع شہوات (۱۳) مداہنت (۱۴) کفران نعم (۱۵) حرص (۱۶) بخل (۱۷) طول امید (۱۸) سوء ظن (۱۹) عناد حق (۲۰) اصرار باطل (۲۱) مکر (۲۲) غدر (۲۳) خیانت (۲۴) غفلت (۲۵) قسوت (۲۶) طمع (۲۷) تخلیق (۲۸) اعتماد خلق (۲۹) نسیان خالق (۳۰) نسیان موت (۳۱) جرأت علی اللہ (۳۲) نفاق (۳۳) اتباع شیطان (۳۴) بندگی نفس (۳۵) رغبت بطالت (۳۶) کراہت عمل (۳۷) قلت خشیت (۳۸) جزع (۳۹) عدم خشوع (۴۰) غضب للنفس (۴۱) تساہلی فی اللہ وغیرہا۔

ان اوصاف ذمیمہ سے باطن کو پاک کرنا اور پاک رکھنا ضروری ہے۔ صوفیہ اس کا اپنے نفس سے ہر وقت محاسبہ کرتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں کہ کسی چور دروازے اس طرح کا کوئی عیب تو نہیں در آیا۔ جس شخص میں باطن کا احتساب اور ہر لمحہ اس کی نگرانی نہ ہوا کثر ان آفات کا شکار ہو کر ان کا عادی بن جاتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ میں اب بھی متقی و صاحب فلاح ہوں جب کہ وہ اپنے تقویٰ کا سونا، بہت پہلے کھو چکا، یہ زر خالص کبھی اس کے ہاتھ ہی نہ آیا مگر یہاں پر اہل تصوف کی گرفت بہت زیادہ مضبوط ہوتی ہے جو محاسبہ و مراقبہ کا ثمرہ ہے۔

اب دیکھیے کہ اہلِ تصوف طالبِ سلوک کو کن اخلاقِ حمیدہ سے آراستگی کی تاکید کرتے ہیں۔ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ (م ۱۰۱۷ھ) فرماتے ہیں:

"طالبِ صادق کو چاہیے کہ مکارمِ اخلاق حاصل کرے اور مقامات واحوال کی مشق کرے۔"

اخلاق حمیدہ: (۱) رافت (۲) محبت (۳) شجاعت (۴) چشم پوشی (۵) پردہ پوشی (۶) درگزر (۷) صبر (۸) رضا (۹) بشارت (۱۰) حلم (۱۱) تواضع (۱۲) خیر خواہی (۱۳) شفقت (۱۴) تحمل (۱۵) موافقت (۱۶) احسان (۱۷) مدارات (۱۸) ایثار (۱۹) خدمت (۲۰) الفت (۲۱) بشاشت (۲۲) کرم (۲۳) فتوّت (۲۴) بذلِ جاہ (۲۵) مروت (۲۶) کشادہ روئی (۲۷) تودّد (۲۸) عفو (۲۹) صفح (۳۰) سخا (۳۱) جود (۳۲) وفا (۳۳) حیا (۳۴) تلطّف (۳۵) خوش روئی (۳۶) آہستگی (۳۷) سکینت (۳۸) وقار (۳۹) ثنا (۴۰) حسن ظن (۴۱) تصغیر نفس (۴۲) توقیر اخوان (۴۳) تجمیل مشائخ (۴۴) چھوٹے بڑے پر رحم (۴۵) اپنے سلوک واحسان کو حقیر سمجھنا (۴۶) اپنے ساتھ کیے سلوک کو عظیم سمجھنا۔

اہل تصوف کے اخلاق وہ نہیں جن کا جھوٹے دعویدار اظہار کرتے ہیں، طمع کو زیارت، بے ادبی و گستاخی کو اخلاص، حق سے باہر ہونے کو شطح کہتے ہیں۔ یعنی زبان درازی و بے باکی سے ایسی بات بولنا جو دین سے نکل جانے کا سبب ہو۔ خواہش کی پیروی کو ابتلا، بدخلقی کو ہیبت، بادشاہوں سے تقرب کو مسلمانوں کی سفارش تصور کرتے ہیں۔ بخل کو دانائی سمجھتے ہیں یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو اہل معرفت کی راہ وروش سے دور ہیں۔

مقامات کا مطلب یہ ہے کہ عبادات میں بندہ یہ تصور رکھے کہ میرا قیام خداے تعالیٰ کے سامنے ہے۔ مقامات کی ترتیب اس طرح ہے:

(۱) انتباہ: خواب غفلت سے بیداری۔

(۲) توبہ: گناہوں کو چھوڑ کر دوام ندامت کے ساتھ حق تعالیٰ کی جانب رجوع اور کثرت استغفار۔

(۳) انابت: غفلت سے ذکر کی جانب واپسی، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ حق سے خوف کا نام توبہ اور حق کی جانب شوق کا نام انابت ہے۔

(۴) وَرَع: ایسی چیز کو ترک کر دینا جس کی حلت میں شبہہ ہو۔

(۵) محاسبۂ نفس: نفس کے سود وزیاں اور زیادتی وکمی میں فکر وغم۔

(۶) ارادت: راحت ترک کر کے طاعت وعبادت میں دائمی محنت۔

(۷) زہد: دنیا کی حلال شہوات سے باز رہنا۔

(۸) فقر: املاک نہ رکھنا اور جو کچھ ہاتھ میں نہ ہو اس سے دل خالی رکھنا۔

(۹) صدق: ظاہر و باطن کا یکساں ہونا۔

(۱۰) تصبر: نفس سے وہ باتیں برداشت کرانا جو اسے ناگوار ہوں اور اسے بجبر تلخیوں کا جام پلانا۔

(۱۱) صبر: شکایت ترک کر دینا۔

(۱۲) رضا: بلا میں لذت پانا۔

(۱۳) اخلاص: حق سبحانہ تعالیٰ کے معاملات سے خلق کو باہر رکھنا۔

(۱۴) توکل: حق تعالیٰ کی رزاقی پر بھروسا اور غیر سے قطع طمع۔

احوال: یہ دلوں کے معاملات کا نام ہے یعنی ذکر کی صفائی سے دلوں میں جو واردات آتے ہیں وہ احوال ہیں حضرت جنید فرماتے ہیں: حال ایک وارد ہونے والی کیفیت ہے جو دل پر اترتی ہے اور ہمیشہ نہیں رہتی۔ کچھ احوال یہ ہیں:

(۱) مراقبہ: صفائے یقین کے باعث پس غیب کی چیزوں کو دیکھنا۔

(۲) قرب: خدا کے سامنے ماسوا سے ہمت جمع رکھنا۔

(۳) محبت: محبوب کے پسند و ناپسند میں اس کی موافقت۔

(۴) رَجا: حق نے جو وعدہ کیا ہے اس بارے میں اس کی تصدیق۔

(۵) خوف: اللہ کی سطوت و عقوبت کے تعلق سے دلوں کا مطالعہ

(۶) حیا: انبساط سے دل کو روکنا۔

(۷) شوق: محبوب کی یاد کے وقت قلب کا ہیجان۔

(۸) انس: خدا کی جانب سکون پذیر ہونا اور تمام امور میں عاجزی و مسکنت برتنا۔

(۹) طمانیت: قضا و قدر کے تحت جو بھی جاری ہے اس بارے میں خدا کی جانب سکون پذیر ہونا۔

(۱۰) یقین: شک دور ہونے کے ساتھ تصدیق۔

(۱۱) مشاہدہ: یہ رویتِ یقین اور رویتِ عین کے درمیان فاصلہ کا نام ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: خدا کی عبادت اس طرح بجالا کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ مشاہدہ آخری حال ہے۔

طالب صادق کو چاہیے کہ ان تمام اخلاق، مقامات اور احوال کی مشق و عادت ڈالے تا کہ رفتہ رفتہ یہ سب اسے حاصل ہو جائیں اور مرید حقیقی بن جائے۔ اس کے بعد کچھ اور خوشبوئیں تابشیں بخششیں ہوتی ہیں جن کے بیان سے عبارت قاصر ہے۔ اور اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ (سبع سنابل، ص: ۵۳ تا ۵۵)

یہ ان امور کا اجمالی بیان ہے جن کی پابندی کی ہدایت و تربیت صوفیہ کرام فرماتے ہیں۔ غور کیجیے ان میں کون ایسا امر ہے جو کتاب و سنت کے خلاف ہو یا جن سے اعتقاد میں کوئی خرابی آتی ہے۔ لیکن برا ہو صوفیہ سے عداوت کا کہ تصوف کو زندقہ اور صوفیہ کو زنادقہ کے نام سے شہرت دینے کی سعی مذموم جاری ہے۔ حالاں کہ یہ حضرات جس شدت و استقامت کے ساتھ اسلامی عقائد و احکام کے پابند ہوتے ہیں، اور ان کے افکار و اخلاق کی جو بلندی ہوتی ہے اہل ظاہر کے یہاں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا مگر جب دل سے حق و انصاف رخصت ہو چکا ہو اور قلب میں بغض و عناد کی ظلمت گھر کر چکی ہو تو اس کا کیا علاج؟

تعلیم صوفیہ کا ایک نمونہ: کتاب و سنت کے ارشادات میں جو جامعیت اور گہرائی ہے اس کی تہہ تک پہنچنا اہل اللہ ہی کا حصہ ہے۔ مثلاً ریا کی مذمت قرآن میں بھی ہے، حدیث میں بھی ہے، مگر اس کی صورتیں اور قسمیں کیا کیا ہیں۔ یہ کس کس طرح اعمال کو فاسد و ناقص کرتی ہے۔ اہل ظاہر اس کی تفصیلات کتاب و حدیث میں دکھانے سے قاصر ہیں۔ مگر صوفیہ انھیں بسط کے ساتھ بتاتے ہیں اور سمجھاتے ہیں جو ان کے فہم قرآن و حدیث اور نظر غائر کا بین ثبوت ہے۔ مزید توضیح کے لیے یہاں حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ کی کتاب احیاء العلوم باب رِیا کے کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ تا کہ اربابِ تصوف کے مدارک و مراتب کا قدرے اندازہ ہو سکے اور اہل باطن و اہل ظاہر کے فہم و نظر کا کچھ فرق سمجھ میں آ سکے۔

امام موصوف پہلے ریا سے متعلق آیات و احادیث پھر آثار و واقعات بیان کرتے ہیں۔ ایک حدیث یہاں بھی نقل کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ شرک اصغر کا خطرہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا وہ رِیا ہے۔ اللہ عز و جل روز قیامت جب بندوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا اس وقت ریا کاروں سے فرمائے گا تم دنیا میں جن کو دکھاتے تھے ان کے پاس جاؤ، دیکھو ان کے یہاں تم کو کچھ جزا ملتی ہے؟ (مسند احمد، شعب الایمان، بیہقی، بروایت محمود بن لبید)

ریا کی حقیقت اور ریا کاری کے ذرائع: ریا رویت سے اور سُمعہ سماع سے مشتق ہے۔ ریا کی اصل یہ ہے کہ لوگوں کو خیر

کی خصلتیں دکھا کر ان کے دلوں میں اپنی منزلت پیدا کرنا مقصود ہو۔ جاہ و منزلت کی طلب عبادات کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور غیر عبادات سے بھی۔ مگر عرفاً عبادات اور ان کے اظہار کے ذریعہ طلب منزلت کو ریا کہا جاتا ہے اس لیے ریا کی تعریف یہ ہے: "اللہ کی طاعت سے بندوں کو مقصود بنانا۔"

یہاں چند چیزیں ہیں:

(۱) ریاکار جو عبادت گزار ہے۔

(۲) وہ لوگ جن کو دکھانا اور ان کے ذریعہ دلوں میں اپنی قدر و منزلت پیدا کرنا مقصود ہے۔

(۳) وہ خصلتیں جن کا اظہار مقصود ہے۔

(۴) ریا یعنی قصد اظہار۔

ریا کے ذرائع بہت ہیں مگر وہ پانچ اقسام میں سمٹ آتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے ذریعہ بندہ لوگوں کے سامنے آراستہ ہوتا ہے: (۱) بدن۔ (۲) لباس۔ (۳) قول۔ (۴) عمل۔ (۵) توابع اور خارجی چیزیں۔ اہل دنیا بھی ریا میں ان ہی ذرائع سے کام لیتے ہیں۔ مگر طاعات کے ذریعہ ریاکاری کی بہ نسبت اس ریا کی خرابی کم ہے جو ایسے اعمال کے ذریعہ ہو جن کا طاعت و عبادت میں شمار نہیں۔

(۱) بدن کے ذریعہ ریا: دین میں اس کی مثال لاغری و زردی کا اظہار تا کہ اس سے اپنی سخت محنت، امر دین پر اپنے حزن عظیم اور خوف آخرت کے غلبے کا خیال دلائے مگر دنیا کی ریا بدن کی فربہی، رنگ کی صفائی، قد و قامت کے اعتدال، چہرے کے حسن، بدن کی نظافت اور اعضا کی طاقت و تناسب کے اظہار سے ہوتی ہے۔

(۲) ہیئت و لباس کے ذریعہ ریا: مثلاً سر کے بال پراگندہ رکھنا، چلنے میں سر جھکائے رکھنا، چہرے پر سجدے کا اثر باقی رکھنا، موٹے جھوٹے کپڑے پہننا، ازار یا پاجامہ پنڈلی تک رکھنا اس طرح کہ ان امور سے پیروی سنت کی نمائش مقصود ہو۔ اور اہل زہد و صلاح کے دلوں میں اپنی وقعت بٹھانی مطلوب ہو۔ اور اگر صالحین اور امرا و وزرا کی نظر میں قدر و منزلت کا ارادہ ہو تو ایسے کپڑے بنانا جو دونوں کے نزدیک پسندیدہ ہوں۔

(۳) کلام کے ذریعہ ریا: اس قسم کے تحت اہل دین کی ریاکاری کے ذرائع یہ ہیں۔ وعظ و نصیحت، حکیمانہ باتیں، اخبار و آثار یاد کرنا تا کہ بات چیت کے وقت سنا کر وسعت علم کا اظہار ہو، لوگوں کے سامنے ذکر کرتے ہوئے لبوں کو حرکت دینا، اگر آدمیوں کا مجمع ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، برائیوں پر غضب، لوگوں کے ارتکاب معاصی پر رنج کا اظہار، حفظ حدیث و لقائے شیوخ کا دعویٰ بیان کرنے والے کی گرفت تا کہ اپنے علم و بصیرت کا اظہار ہو۔ اور اہل دنیا کی ریاکاری اشعار و امثال کے حفظ، چرب زبانی، عبارت کی دل کشی وغیرہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

(۴) عمل کے ذریعہ ریا: مثلاً نمازی کا قیام اور رکوع و سجود کو لمبا کرنا، وقار و سکون کی نمائش کرنا، اسی طرح روزہ، صدقہ حج وغیرہ اعمال میں طرح طرح کے تکلف برتنا، ریاکار کی حالت یہ بھی ہوتی ہے کہ اپنے کام میں بڑی تیزی سے جا رہا تھا کسی دین دار کو دیکھ لیا تو سر جھکا کر آہستہ چلنے لگا کہ کہیں وہ اسے جلد باز اور کم وقار نہ سمجھے، وہ نظر سے غائب ہوا تو پھر اپنی عادت پر آ گیا پھر کوئی ایسا شخص نظر آ گیا تو پھر وقار و سکون اختیار کر لیا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تنہائی میں بھی وقار سے چلنے، رہنے، اٹھنے، بیٹھنے کی عادت بنا لیتا ہے تا کہ کوئی باخبر یہ نہ کہہ سکے کہ تنہائی میں اس کا حال اور ہے مجمع میں اور، اس عادت کے بعد وہ بزعم خویش یہ سمجھتا ہے کہ ریا سے پاک ہو گیا حالاں کہ اس کی ریاکاری دوگنا ہو گئی اس لیے کہ تنہائی کا یہ تصنع مجمع ہی کی خاطر ہے۔ خدا سے حیا و خوف کی وجہ سے نہیں ہے۔

اور اہل دنیا کی ریاکاری ناز و انداز سے چلنے، چھوٹے چھوٹے قدم رکھنے، دامن یا ازار کے کنارے پکڑ کر چلنے، شانوں کو گردش دینے وغیرہ سے ہوتی ہے تا کہ جاہ و حشمت کی نمائش ہو۔

(۵) دوستوں اور ملاقاتیوں کے ذریعہ ریا: مثلاً اس بات کی کوشش کہ کوئی عالم یا عابد و وزیر و امیر اس سے ملنے کے لیے آئے تا کہ لوگوں میں اس کی عظمت اور بڑے افراد کے اس کی جانب رجوع کا چرچا ہو، یا شیوخ و اکابر کا کثرت سے تذکرہ کرے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اسے کثیر بزرگوں اور عظیم لوگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہے اس قسم کے تحت اور بہت سی صورتیں ہیں۔

ریا کے ارکان و درجات: ریا کے تین ارکان ہیں: (۱) ذریعہ رِیا۔ (۲) مقصود رِیا۔ (۳) خود قصد ریا۔ پھر ان تینوں کے مختلف درجات و مراتب ہیں:

قصد ریا: اس کے چار درجات ہیں:

اول: یہ سب سے برا ہے۔ وہ یہ کہ عمل سے ثواب بالکل

مقصود نہ ہو جیسے وہ شخص جو لوگوں کے درمیان ہو تو نماز پڑھ لے اکیلا ہو تو نہ پڑھے۔ مجمع ہو تو خیرات کرے۔ تنہائی ہو تو نہ کرے۔

دوم: ثواب کا قصد تو ہو مگر ضعیف، وہ اس طرح کہ لوگوں کے سامنے ہے تو ثواب کا خیال آیا اور عمل بجالا یا لیکن تنہائی میں ثواب کا خیال آیا تو نہ کیا، یہ درجہ بھی اوپر والے درجہ سے قریب ہی ہے۔

سوم: ثواب اور ریا کاری دونوں کا ارادہ برابر برابر ہو، وہ اس طرح کہ دونوں جمع ہوئے اس کے لیے محرک بنے، اگر صرف ایک امر ہوتا تو اس عمل کی انگیخت نہ ہوتی۔ یہ شخص بھی غضب سے سلامت رہنے والا نہیں۔

چہارم: صرف ثواب کا قصد رکھتا ہے لیکن اگر لوگوں کے سامنے ہے یا ان کے آگاہ ہونے کا موقع ہے تو عمل کے لیے قوت ونشاط ہے اور اگر ایسا موقع نہیں تب بھی اپنی عادت کے مطابق وہ عمل کی بجا آوری کرتا ہے۔ اور تنہا ریا کے ارادے سے یہ عمل نہیں کرتا۔ ہمارا خیال ہے کہ ایسے شخص کا عمل برباد نہ ہوگا مگر اس میں نقص ضرور آجائے گا ایسے قصد ثواب کے بقدر ثواب اور قصد ریا کے بقدر عتاب ہوگا۔ اور حدیث پاک: "انا اغنی الأغنیاء من الشرك" اس صورت پر محمول ہے جب دونوں قصد مساوی ہوں یا قصد ریا راجح ہو۔

ذریعۂ ریا: یہ طاعات ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عبادات میں ریا کاری۔ (۲) عبادات کے اوصاف میں ریا کاری۔ اول زیادہ سخت ہے اس کے تین درجات ہیں۔

اول: اظہار ایمان میں ریا کاری، ایسا شخص منافق ہے جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور ریا کا یہ باب سب سے بدتر ہے۔

دوم: فرائض میں ریا کاری، یہ بھی بہت بری ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اس کا مال دوسرے کے ہاتھ میں ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ اس سے زکوٰۃ نکال دیتا مگر خدا جانتا ہے کہ وہی مال خود اس کے ہاتھ میں ہوتا تو زکوٰۃ نہ دیتا یا خلوت میں ترک نماز کا عادی ہے مگر مجمع میں رہتا ہے تو ادا کر لیتا ہے، لوگوں کے ساتھ ہے تو روزہ رکھ لیا مگر منتظر ہے کہ تنہائی پائے تو روزہ توڑ دے۔

سوم: ایمان وفرائض میں ریا کار نہیں مگر نوافل وسنن میں ریا کار ہے مثلاً تنہا ہے تو تہجد نہیں پڑھتا ہے لوگوں کے ساتھ ہے تو پڑھ لیتا ہے ایسے ہی عرفہ وعاشورہ کا روزہ جسے مذمت سے بچنے یا مدح و ستائش ملنے کی غرض سے ادا کر لیتا ہے۔

اوصاف عبادت میں بھی ریا کاری کے تین درجے ہیں:

اول: براہِ ریا کاری ایسا عمل بجالائے جسے نہ کرتا تو عبادات میں نقص وخلل آتا مثلاً اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو بغیر تعدیل کے جلدی جلدی رکوع سجدہ کر لیا، لوگوں کے سامنے ہے تو تعدیل کے ساتھ سب ارکان ادا کر رہا ہے، اسی طرح کوئی شخص زکوٰۃ میں خراب سکے دینے کا عادی ہے لیکن اگر لوگوں کے سامنے دیا تو عمدہ سکے دیے۔ روزہ سے ہے تو مخلوق کی مذمت کے خوف سے غیبت و بے ہودہ گوئی سے بچتا ہے۔ تکمیل عبادت مقصود نہیں۔

دوم: براہ ریا کاری ایسا کام کرے جسے نہ کرتا تو عبادت ناقص نہ ہوتی اور کیا تو اس کی حیثیت تکملہ وتتمہ کی ہے۔ جیسے حد تعدیل سے زیادہ طویل رکوع و سجود کرنا، عادت سے زیادہ لمبی قراءت کرنا، روزۂ رمضان میں زیادہ تر خلوت میں رہنا، زکوٰۃ میں عمدہ کی جگہ زیادہ عمدہ دینا مگر جب کہ تنہائی اور لوگوں کے عدم اطلاع کی جگہ ہو تو ان امور کی رعایت نہ کرے۔

سوم: نوافل سے خارج کچھ زائد باتوں کی رعایت کرنا، مثلاً لوگوں سے پہلے جماعت میں پہنچنا، پہلی صف کا قصد کرنا، جب کہ خدا جانتا ہے کہ لوگوں کی اطلاع کا موقع نہ ہوتا تو یہ ان امور کی پرواہ نہ کرتا۔

مقصودِ ریا: ریا کار کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوگا مال یا جاہ یا کچھ اور۔ اس لحاظ سے اس کے بھی تین درجات ہیں:

اول: سب سے زیادہ قبیح وشدید۔ وہ یہ ہے کہ عبادت کی نمائش ، ورع وتقویٰ کے اظہار اور نوافل کی کثرت سے کسی گناہ کا ارتکاب اور اس کا موقع پانا مقصود ہو، مثلاً یہ کہ اس کے تقویٰ سے متاثر ہو کر اسے قضا کا عہدہ، اوقاف کی تولیت، مال یتیم کی سرپرستی وغیرہ حاصل ہو جائے۔ اور بے دریغ تصرف کر سکے، یا لباس صالحین، ہیئتِ صلحا، وعظ وتذکیر سے کسی خوبرو عورت یا لڑکے کا دام فجور میں لانا مقصود ہو۔

دوم: ریا کاری سے کوئی جائز حظ نفس یا مال دنیا حاصل کرنا مقصود ہو جیسے کسی خوب صورت یا معزز خاتون سے نکاح تک رسائی چاہتا ہو، یا وعظ میں گریہ وزاری اور جذبات کی انگیخت کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں سے نذرانہ وہدیہ زیادہ وصول ہو۔

سوم: کسی حظ نفس یا مال دنیا کی طمع نہ ہو مگر اس خوف سے عبادت کی نمائش کرے کہ کہیں خاص زاہدین سے الگ نہ شمار ہو۔

لوگ اسے بنگاہ نقص نہ دیکھیں۔

ریائے خفی جو چیونٹی کی چال سے زیادہ پوشیدہ ہے:

ایک ریائے جلی ہے دوسری ریائے خفی۔

(۱) جلی یہ ہے کہ ثواب بھی مقصود ہو مگر عمل پر برانگیختہ کرنے والی چیز جذبۂ نمائش ہے۔

(۲) اس سے کچھ خفی۔ وہ یہ ہے کہ عمل کے لیے ریا تنہا محرک تو نہ ہو مگر باعث تخفیف ہو جیسے وہ شخص جو تہجد کا عادی ہو مگر ادائیگی میں گرانی و دشواری محسوس کرتا ہو اور اگر کوئی مہمان آ گیا تو وہی عمل بڑے نشاط اور چستی سے ادا کرتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ اسے اگر ثواب کی امید نہ ہوتی تو محض مہمانوں کے لیے نماز نہ پڑھتا۔

(۳) اس سے بھی زیادہ خفی۔ جذبۂ نمائش نہ محرک ہے نہ باعث آسانی مگر دل میں چھپا ہوا بیٹھا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ جو عبادت گرانی اور دشواری سے ادا کرتا تھا جب اسے معلوم ہوا کہ لوگ اس کی عبادت گزاری سے مطلع ہو گئے تو سارا احساس مشقت جاتا رہا اور مسرت وراحت محسوس کرنے لگا۔

(۴) خفیہ طور پر عبادت کرے کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے اور اگر لوگوں کو پتہ چل گیا تو اسے خوشی نہ ہو مگر اس کے دل کی آرزو یہ ہو کہ لوگ اسے پہلے سلام کریں، اس کی تعظیم وتوقیر کریں، اگر اس میں کسی سے کوتاہی ہو تو اس کے دل پر گراں گزرے کہ اس قدر عبادت اور اخلاص کے باوجود میرا اعزاز نہیں۔

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ لوگوں کی آگاہی سے جو مسرت ہوتی ہے اس میں کون سی محمود ہے اور کون سی مذموم، اس کی پانچ صورتیں بتائیں ایک مذموم باقی محمود۔ پھر کون وہ ریا ہے جس سے عمل برباد ہو جاتا ہے اور کس سے بالکل برباد نہیں ہوتا۔ پھر ریا کا علاج کیا ہے اور اس بارے میں قلب کی اصلاح کیسے ہوگی ساری تفصیلات ہیں۔ (احیاء العلوم)

یہ دقائق وحقائق ان علوم کا شمہ ہیں جو ان علمائے ربانی کے قلوب میں موجزن ہیں، کیوں کہ جو کچھ سینوں میں تھا کتابوں میں منتقل نہ ہوا اور بہت علوم تو وہ ہیں جو محض دل ہی سے تعلق رکھتے ہیں تحریر کی گرفت میں نہیں آتے۔

بتائیے یہ معارف صوفیہ واولیا کے سوا کسی ظاہری وغیر مقلد کے یہاں بھی دستیاب ہو سکتے ہیں؟ انھیں تو ان سب کی ہوا بھی نہ لگی، اگر کچھ بیان بھی کرتے ہیں تو وہ ان ہی علما سے سرقہ ہوتا ہے، یہ بھی غور کیجیے کہ کیا ان باتوں میں سے کوئی بات ایسی بھی ہے جو کتاب وسنت سے متصادم اور قابل رد وانکار ہو؟ ہرگز نہیں۔ وہ حضرات جو کچھ فرماتے ہیں کتاب و سنت میں ان کے طویل غور وفکر اور رب کی خاص نوازشات کا نتیجہ ہوتا ہے، کتاب وسنت میں ان امور کا ذکر ایجاز واجمال کے ساتھ ہوتا ہے، اور ہر عالم کو اس کی بسط وشرح تک رسائی نہیں ہوتی: مثلاً حدیث میں ہے: "اتقوا الریاء شوائب اخفی من دبیب النمل" (احمد، طبرانی بروایت ابوموسیٰ اشعری) ریا میں ایسی آمیزشیں ہوتی ہیں جو چیونٹی کی چال سے زیادہ پوشیدہ ہوتی ہیں یا فرمایا: "اتقوا هذا الشرك فانه اخفى من دبيب النمل" اس شرک سے بچو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ مخفی ہے۔ (ابن حبان فی الضعفاء بروایت صدیق اکبر دارقطنی) یہ بہت مجمل کلام ہے جس کی کچھ تفصیلات وہ ہیں جو امام غزالی کی کتاب مبارک سے نقل ہوئیں اگر یہ علمائے ربانیین نہ ہوں تو ان مصائب ومکائد کی شرح کون کرے اور بندوں کو دام شیطان و نفس سے کون بچائے، وہ لوگ جہل مرکب کا شکار ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ کتاب وسنت میں جو کچھ صاف وصریح طور پر بیان ہوا اس سے کچھ اور علوم کے چشمے نہیں نکلتے اور ان پر فکر وتدبر کے نتیجے میں علم باطن کے ہزاروں اسرار ورموز نہیں کھلتے یا علم باطن کوئی چیز نہیں یا ہے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ورنہ کتاب وسنت نے کھول کر بیان کر دیا ہوتا۔

نادانو! کتاب وسنت میں صریح بیان کے ساتھ فکر وتدبر کی دعوت بھی تو ہے اہل ذکر سے پوچھنے کی تاکید بھی تو ہے اہل استنباط کی جانب رجوع کا حکم بھی تو ہے وہ کیوں ہے؟ اگر سب کچھ بیان ہی ہو چکا ہے اور سب پر عیاں وآشکارا ہی ہو چکا ہے تو فکر وتدبر کی دعوت کیوں؟ اہل استنباط کی جانب رجوع کی حاجت کیا؟ اہل ذکر سے پوچھنے کا فائدہ کیا؟

حقیقت یہ ہے کہ جو امور تعلیم خدا ورسول کے بغیر بندوں کی دسترس سے باہر تھے یا دسترس کے باوجود مقام دعوت وارشاد میں ان کا اعلان واظہار ضروری تھا وہ ضرور بیان کر دیے گئے، اور ان ہی کو اساس قرار دے کر ان سے استخراج کے لیے دعوت وتاکید فرما دی گئی تا کہ امت کو فکر وتدبر کا ثواب بھی حاصل ہو اور معارف و عطایا کے لحاظ سے بندوں کے رتبہ ومقام کا فرق بھی ظاہر ہو، رب جلیل کی حکمتیں بیان وشمار سے باہر ہیں۔

☆☆☆☆☆

یہ مضمون ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور، انڈیا سے لیا گیا ہے

شمارہ جولائی 2012